غزوات السموات

(۲)

جناب کرنل خواجہ عبدالرشید صاحب

دم دار ستارے (COMETS) پچھلے چند سالوں میں یہ ستارے مختلف مقامات پر مختلف وقتوں تک نظر آتے رہے ہیں۔ یہ عام ستاروں کی طرح روشن ہوتے ہیں۔ مگر اس کے عقب میں ایک روشن دم ہوتی ہے جو کئی شکلوں میں نظر آتی ہے۔ بعض نے اس کو تلوار سے تشبیہ دی ہے اور بعض نے صلیب سے۔ بہرحال یہ وہی دخان کا سلگتا ہوا فوارہ ہے جو ستارے کے عقب میں چسپاں ہوتا ہے۔ ان کی تعداد سیاروں (PLANETS) سے کہیں زیادہ ہے اور یہ اکثر گردش میں رہتے ہیں۔ اور کبھی کبھار اس کرۂ ارض کے قریب بھی آجاتے ہیں اور پھر ان کا زمین پر تصادم بھی ہو جاتا ہے۔ جس عمل کے بعد ان کی یہ روشن دم غائب ہو جاتی ہے اور یہ ستارہ (STAR) سیارہ (PLANET) بن جاتا ہے اور اپنے اثرات اس زمین پر ڈالنا شروع کر دیتا ہے انہی اثرات کے تحت علم نجوم وجود لیتا ہے۔ یہ اثرات روشنی کی شعاعوں کے اثرات سے پیدا ہوتے ہیں۔

خیال کیا جاتا ہے کہ جب یہ مرکزی ہیولیٰ سے علیحدہ ہوئے تو اس وقت کشش ثقل اس قدر طاقتور نہ تھی کہ ان کو کھینچ کر باقی اجرام کے دائرے میں لے لیتی۔ اس

لئے وہ اپنے ہی مدار میں گھومتے رہے۔ اور ایک آگ کی پھلجھڑی کی طرح ان کے ساتھ ایک لمبی دم منسلک ہوگئی۔ جو کرۂ ارض کے ساتھ تصادم کے بعد غائب ہو جاتی ہے۔ یہی غزوات السموات کا عمل تھا۔ یہ ٹکراؤ صرف اس کرۂ ارض کے ساتھ نہ تھا۔ بلکہ دوسرے اجرام فلکی کے ساتھ بھی ہوتا رہا۔ اور ہر جگہ یہ اپنا اثر دکھاتے رہے۔ اس کرۂ ارض کے ساتھ تصادم کے اثرات اور نشانات تلاش کر لئے گئے ہیں۔ اور ان کی تفصیل ہم آئندہ صفحات میں بیان کریں گے۔ فی الحال اتنا یاد رکھنا ضروری ہے کہ جو دم دار ستارے اس کرۂ ارض کے ساتھ ٹکرائے وہ ٹکرانے کے بعد اس محور میں آ گئے۔ اور یہاں کے موسموں و نباتیات اور انسانی اخلاق پر اثر انداز ہونے لگے۔ ان کو دیکھ کر انسان نے ان کو دیوتاؤں کی شکل دے کر ان کی پرستش شروع کر دی۔ چنانچہ ہم آئندہ بتائیں گے کہ کون سے سیارے کس وقت اور کس شکل میں ہم لوگوں کے اعتقادات میں شامل ہوئے اور ان کی پرستش شروع ہوئی۔ مثال کے طور پر زہرہ سیارے کو لیجئے یہ بھی ایک وقت میں دم دار ستارہ تھا۔ مگر تصادم کے بعد اس کی دم غائب ہوگئی۔ اور یہ بشکل وینس (VENUS) یونانیوں اور مصریوں اور بابلیوں (Babylonian) کی عبادت میں شامل ہوا۔ ادھر ہندوستان والوں نے اس کو اپنی تثلیث میں شامل کر کے اس کو وشنو (VISHNO) کا نام دیا۔ اس سے پہلے اس کا وجود ہندو تثلیث میں نہ تھا۔

اس تصادم کے دوران یہ سیارے اپنا رخ بھی بدل لیتے ہیں۔ یہ دفاعی (DEFENSIVE) امر ہے جو غزوات السموات کی خصوصیت ہے۔ چنانچہ ۱۷۵۸ء میں ہیلی کومٹ (HALLEY COMET) کے متعلق ہیلی (HALLEY) نے پیشین گوئی کی تھی۔ اس کے متعلق (CLARRAUT) نے بتایا تھا کہ یہ ستارہ اپنی حرکت کی سمت بدل کر ۶۱۸ دن دیر سے دوسری سمت میں نمودار ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہ دم دار ستارے سورج کی سطح سے ابھی تک چھوٹ رہے ہیں۔ اور ٹکراؤ کے بعد سیاروں کی

شکل اختیار کرتے چلے جا رہے ہیں۔ ان میں سے جو ہمارے کرۂ ارض کے محور میں آجاتے ہیں ہم ان کا پتہ لگا لیتے ہیں۔ اور ان کو سیارے (PLANETS) کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ درحقیقت تمام نظریے ہی ہیں اصل حقیقت کسی کو معلوم نہیں۔ سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ زمین کے اوپر جو خول (CRUST) چڑھا ہوا ہے اس کی موٹائی دو ہزار میل ہے اور یہ خول تہہ بہ تہہ مختلف حالات اور زمانوں کا پتہ دیتا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کرۂ ارض پر کیا گزری۔ مثلاً اس میں برفانی زمانہ (ICE AGE) کے آثار بھی ملتے ہیں اور سیلابوں کے آثار بھی۔ اور آتش زدگی کی علامات بھی۔ ان تہوں کے اندر قدیم حیوانات کے پنجر (FOSSILS) یعنی ڈھانچے بھی محفوظ ہیں۔ جس طرح قیامت کے قریب اونٹ معطل ہو جائے گا بحکم قرآن حکیم واذا العشار عطلت (۸۱:۴) چند ایک عظیم الجثہ حیوانات جو ہاتھی سے بھی بڑے تھے ان کے ڈھانچے انسانی کھوپڑیوں کے ساتھ دبے ہوئے ملے ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کا وجود بہت قدیم ہے اس قسم کے کئی جانوروں کے ڈھانچے مل چکے ہیں۔ جن کی نسلیں بھی آج ناپید ہیں۔ تعجب کی بات ہے کہ ہمارے مترجمین اور مفسرین قرآن نے محولہ بالا آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ "جب دس ماہ کی گابھن اونٹنی اپنا حمل گرا دے گی" تعجب ہے کہ دس ماہ کا حمل کیوں؟ نو ماہ یا آٹھ اور گیارہ ماہ کا کیوں نہیں۔ بات یہ ہے کہ یہ محض تاویلیں ہیں نشانات قیامت کو ثابت کرنے کی حالانکہ قیامت ایک اچانک حادثہ ہے۔ اور جو وجوہات اچانک وقوع پذیر ہوتی ہیں اس کی نشانی نہیں ہوا کرتی اس آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ جب اونٹ معطل کر دئیے جائیں گے اور قانون قدرت ہے کہ ایسا ہو گا۔ اور ایسا ہوتا ہی آیا ہے۔

اب اونٹوں کے کارواں کہاں دیکھنے میں آتے ہیں۔ اب تو کاروں کے کونوائے (CONVOY) نظر آتے ہیں۔ اب تو ریگستانوں میں اونٹ بھی موٹر کاروں کی سیر کرتے ہیں۔

ہاں تو ہم بات کر رہے تھے ستاروں کے تصادم کی یہ ایک ستارہ زمین کے قریب آتا ہے تو اس میں سے پتھراؤ ہوتا ہے اور آگ کے شعلے بھڑکتے ہیں۔ اکثر اقوام کو انھیں عذابوں سے ہلاک کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے:

لنرسل علیھم حجارۃ من طین (۳۳:۵۱) تاکہ ہم ان پر اوپر سے مٹی کے پتھر گرائیں اور پھر ایک مقام پر فرمایا گیا ہے:

فلما جاء امرنا جعلنا عالیھا سافلھا وامطرنا علیھا حجارۃ من سجیل منضود (۱۱:۱۱) ترجمہ: اور پھر جب ہمارا حکم آن پہنچا تو ہم نے وہ بستیاں الٹ دیں اور زمین پر کنکر کے پتھر برسانا شروع کئے جو لگاتار گرتے رہے۔

یہ پتھراؤ اس حالت میں ہوا کرتا تھا۔ جب دم دار ستارے زمین کے قریب آجاتے تھے اور ان کے قریب کا وقت اقوام کے عذاب کے ساتھ واقع ہوتا تھا۔ (SYNCHRONISE) چنانچہ ان ستاروں کے ٹکڑے دنیا کے مختلف علاقوں میں مل چکے ہیں۔ یہ پتھراؤ صرف عذاب الٰہی کی نشاندہی کرتا ہے۔ بلکہ دم دار ستارے کے قرب کی بھی خبر دیتا ہے۔ گویا یہ قرب ایک ذریعہ تھا۔ عذاب الٰہی کا عہد نامہ قدیم میں بھی ہم کو ایسے پتھراؤ کے حالات جابجا بکھرے ہوئے ملتے ہیں۔

بہت سے دستاویزات ایسے ملے ہیں اور عجائب گھروں میں محفوظ ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ پتھراؤ اور آتش زدگی اور طوفان اقوام پر عذاب الٰہی بن کر نازل ہوتے رہے ہیں۔ مثلاً حال ہی میں اس بات کا انکشاف ہوا ہے کہ کولمبس (COLUMBUS) کے امریکہ پہنچنے سے چار ہزار سال پہلے یہودی امریکہ پہنچ چکے تھے۔ ان کی کچھ مذہبی اور علمی کتابیں بھی دستیاب ہوئی تھیں۔ جو پادریوں نے جلادیں۔ مگر ان کے کچھ نسخے بشکل قوانین جن کو (CODICA) کہا جاتا ہے پیرس کے عجائب گھر میں محفوظ ہیں۔ ان مخطوطات کے اندر ایسے واقعات کی نشاندہی کی گئی ہے جو طوفان اور آتشزدگی اور پتھراؤ کا پتہ دیتے ہیں۔ چنانچہ

خروج (EXODUS) کے زمانہ میں یہ پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل کا یہ اخراج بھی کچھ ایسے ہی حالات کے تحت ہوا تھا۔ جب قدرتی امور نے ان کو وہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ بعض مورخین نے اس کو طاعون (PLAGUE) کی وبا بتائی ہے اور بعض نے آتش فشاں پہاڑ کی آتش باری۔ چنانچہ اس علاقہ کا مشہور پہاڑ کوہ سینا کئی بار پھٹا اور اس نے تباہی مچائی۔

دو ہزار سال ق۔م ہم کو ایک ایسے واقعہ کے حالات ملتے ہیں جس نے مشرق الاوسط میں بہت بڑی تباہی مچادی تھی۔ اس وقت ایک دم دار ستارہ کرۂ ارضی کے قریب آگیا تھا۔ سرویس (SERVIESS) نے کہا ہے کہ یہ ستارہ خونی رنگ کا تھا۔ کتاب خروج میں بھی اس واقعہ کا ذکر ملتا ہے۔ (EXODUS : ۷ : ۲۰) کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ جس طرح دریا کا پانی بھی خون ہی کے رنگ کا ہے۔ اور خروج کی اگلی آیت میں (۷ : ۲۱) طاعون کا ذکر بھی ملتا ہے گویا یہ سب عذاب مل کر یکے بعد دیگرے آئے جو بنی اسرائیل کے خروج کا باعث بنے کہ وہ ان حادثات کی وجہ سے بکھر کر دنیا میں پھیل گئے اور انھیں میں سے کچھ امریکہ جا نکلے۔ یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب بحر احمر کو (RED SEA) احمر کا نام دیا گیا تھا۔ ورنہ اس نام کا اور کوئی جواز نہیں ملتا۔ خط میخی کے بعض کتبے جو بابل سے حاصل ہوئے ہیں ان میں بھی ایسے واقعات کا ذکر ہے۔ بلکہ ان میں تو خونی بارش کا بھی ذکر ملتا ہے۔ اور ایک مقام پر خونی ریت کا ذکر آیا ہے۔ یہ خونی ریت دم دار ستارے کی سلگتی ہوئی دم کے ذرات تھے۔ کتاب خروج (۸ : ۹) میں یہ لکھا ہوا ہے کہ سرخ ریت جیسے بھٹی سے نکلی ہوئی راکھ ہو آسمان سے گری اور اس گرم سلگتی ہوئی ریت کے ساتھ دہکتے ہوئے پتھر بھی تھے۔ مصری کتبات میں بھی اس واقعہ کا تذکرہ ملتا ہے۔ درحقیقت ایسے واقعات کے حالات تاریخ اقوام میں گھوم پھر کر آتے رہتے ہیں۔ اور اقوام کی نقل و حرکت کے ساتھ ساتھ یہ بھی ممالک میں گھومتے

پھرتے ہیں اس لئے بعض روایات مختلف ممالک میں مختلف شکلوں میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً طوفانِ نوح کا واقعہ آسٹریلیا کی بعض قوموں کے ہاں ملتا ہے۔ چنانچہ ہندوؤں اور بدھوں کے ہاں بھی اس قسم کے کلپ اور یگ (CYCLES) کی شکل میں ہم کو ملتے ہیں۔ درحقیقت اس گرم ریت اور آتش فشانی کی بارش کا باعث ایک اور بات بھی تھی۔ اور وہ یہ ہے کہ جس طرح فضا کے اندر آکسیجن (OXYGEN) اور ہائیڈروجن (HYDROGEN) گیسوں کے امتزاج سے پانی پیدا ہو کر بارش کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اسی طرح زمین کے اندر ہائیڈروجن (HYDROGEN) اور کاربن (CARBON) گیسوں کے امتزاج سے نفت پیدا ہوتا ہے۔ اور اس طرح یہ (تیل) نفت (NAPHTHO) دوسرے سیارگان کے اندر بھی پیدا ہوتا ہے۔ مگر اس کو آتش گیر بننے کے لئے آکسیجن گیس کی ضرورت تھی۔ اس کرۂ ارضی کے اندر یہ نفتی مادہ آتش فشاں پہاڑ کے اندر سے ابلا اور فضا میں آکسیجن حاصل کر کے آگ کی شکل میں پھیل گیا۔ مگر جب دم دار ستارے ہائیڈروجن اور کاربن کو خارج کر کے آکسیجن کے ساتھ فضا میں ملے تو آگ کی ایک پھلجھڑی سطح زمین پر پھیل گئی اور جدھر پھیلی آگ لگاتی رہی۔ تمام قدیم شہر مثلاً بابل، موہنجو داڑو، مینوا، آشور وغیرہا ان میں آگ کے اثرات ملے ہیں۔ بلکہ گندم تک سیاہ رنگ کا ملا ہے جس کو دھواں یہ رنگت دے گیا ہے۔ اس آگ کے متعلق اکثر مورخین نے یہ لکھ دیا ہے کہ دشمن نے حملہ کے وقت شہر کو جلا دیا تھا۔ لیکن یہ بات نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا عذاب تھا۔ اور جب اللہ تعالیٰ کے عذاب سے قدیم شہر تباہ ہوئے تھے تو وہ بار دیگر آباد نہیں ہو سکتے تھے۔ ہمیشہ برباد ہی چلے جاتے ہیں۔ جس طرح اوپر والے شہر! یہ سب اثرات دم دار ستارے کی وجہ سے نمودار ہوئے تھے۔ ظاہر ہے کہ دم دار ستارے کی نمو کا وقت عذاب الٰہی کی آمد کے ساتھ ہوتا ہے۔ مصر کے قدیم اہراموں کے اندر بھی اس آتش زدگی کے اثرات موجود ہیں۔ آتش پرستی کا عقیدہ اسی آتش فشانی سے شروع ہوا۔ لوگ اس آگ سے خوفزدہ ہو کر اس کو پوجنے لگے۔

ایران کے آتش پرستوں نے بھی اپنا عقیدہ باکو کے گردونواح کے نفت کے کنووں سے لیا۔ جہاں ہر وقت آگ سلگتی تھی۔

فلو (PHILO) نے مدت ہوئی لکھا تھا کہ دنیا کی تباہی ہمیشہ دو صورتوں میں ہوتی رہی ہے۔ ایک پانی سے اور دوسرے آگ سے۔ چنانچہ قرآن حکیم بھی اس بات کا شاہد ہے:

مِمَّا خَطِيْئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا (۷۱:۲۵)

یعنی وہ اپنی خطاؤں لسے ڈبوئے گئے پھر آگ میں داخل کیئے گئے۔ اور پھر فرمایا:

فاما ثمود فاهلكوا بالطاغیه۔ واما عاد فاهلكوا

بریح صرصر عاتیه (۶۹:۵)

یعنی ثمود تو بھونچال سے تباہ کیئے گئے اور عاد سخت تیز آندھی سے ہلاک کیئے گئے۔ یہ آگ تیز آندھی اور بھونچال انہی دم دار ستاروں کے قرب کا نتیجہ تھا کہ یہ قومیں تباہ ہوگئیں ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:

فاخذتهم الرجفة فاصبحو فی دارهم

جٰثمین۔ (۷:۷۸)

ترجمہ: تب انھیں زلزلے نے آپکڑا تو وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں پر گرے رہ گئے۔ یہ مختلف قوموں کو تباہ کرنے کے آثار ہیں۔ مگر یہ تمام عذاب دم دار ستاروں کی وجہ سے وقوع پذیر ہوتے رہے ہیں۔ جس نے اول تو تصادم کی وجہ سے زلزلے پیدا کیئے اور اس کی دم سے آگ برسی اور آخراً پانی کا طوفان ساتھ بادل لے کر آیا۔

ہم لکھ آئے ہیں کہ طوفان نوح کا ذکر ہم کو مختلف قوموں اور ملکوں کی کتابوں میں ملتا ہے۔ اس کی مختلف شکلیں اور نوعیتیں ہیں۔ ولین کوفسکی (VALINKOVSKY) نے طوفان نوح کے متعلق ایک بڑا دلچسپ باب باندھا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ پولی نیسیا (POLYNESIA) کی روایات کے اندر طفافانو (TOFAAFANAU) کا ذکر ملتا ہے۔

یہ ایک قسم کا طوفان تھا جو دم دار ستارے کے قرب ارضی سے پیدا ہوتا ہے۔ جب یہ ستارہ بڑی تیز رفتاری کے ساتھ کرۂ ارضی کے قریب گھومتا ہے تو ایک ہلاک کر دینے والا منظر پیدا ہوتا ہے۔ گرد و غبار کے علاوہ سمندر کے اندر تلاطم پیدا ہوتا ہے۔ جس سے سیلاب بھی آجاتے ہیں۔ اور سطح زمین بھی زیر آب آجاتی ہے۔ چنانچہ اس طوفان کے دیوتا کا نام انھوں نے طافنو (TAAFANAU) رکھ دیا ہے۔ جس سے لفظ (TYFOON) بن گیا ہے اور اس سے طوفان کا لفظ ایجاد ہوا۔ چینی زبان میں اس کو طائی فونگ کہا گیا ہے لہذا ثابت ہوا کہ طوفان کی تاریخ کے احوال بہت سی قوموں کے ہاں ملتے ہیں۔ ہمارے خیال میں اس نظریے اور اس لفظ کا اصل ماخذ طوفان نوح ہی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے طوفان آئے ہوں گے۔ جیسا کہ ستاروں کی حرکت سے ظاہر ہوتا ہے مگر یہ تمام طوفان مقامی (LOCAL) طوفان تھے۔ روئے زمین پر پھیلے ہوئے ہرگز نہیں تھے۔ پانی اپنی سطح ہموار رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب کشتی نوح کوہ جودی پر ٹھہری (اور جس کا تعین کوہ ارادات سے کیا گیا ہے اور جن کا حال آیندہ ابواب میں آئے گا) تو یہ چوٹی کوئی اتنی اونچی نہ تھی کہ تمام روئے زمین پر پانی پھیل جاتا۔ یہ طوفان اسی علاقے کے ساتھ مخصوص تھا۔ بہرحال طوفان نوح ایک قرآنی حقیقت ہے اور قدیم کتبات میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔ اقوام کی نقل و حرکت کے ساتھ ساتھ اس واقعہ نے بھی نقل مکانی کی اور مختلف ممالک میں یہ داستان پھیل گئی۔

یہ مصنف ایک اور بڑی دلچسپ بات اسی ضمن میں کہتا ہے اور وہ بنی اسرائیل کے مقام عبور کا تعین ہے۔ جس کو (SEA OF PASSAGE) کہا جاتا ہے۔ اس کا مقام وہ بحرہ احمر پر تصور کرتا ہے۔ اور لکھتا ہے کہ دریا کے اندر ایک ہیجان (HURRICANE) پیدا ہو گیا تھا۔ اور اس جگہ کو جام صوف (JAM SUF) کہتا ہے اور کہتا ہے کہ صوف اور صفا عبرانی زبان میں ہیجان یعنی (HURRICANE) کو

کہتے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ عربی کا لفظ تصوف اسی لفظ سے تخلیق پایا ہو کیونکہ صوفیا اعمال سے قلب کے اندر ایک ہیجان سا پیدا ہو جانا لازمی ہے اور قلب بھڑک اٹھتا ہے۔

سمندر کے اندر جوار بھاٹا کا عمل بھی اجرام فلکی کی نقل و حرکت پر منحصر ہے۔ چنانچہ چاند کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ سمندر کا ابھار ثابت ہے۔ اور یہ جو دم دار ستارے جب کرۂ ارض کے قریب آجاتے ہیں تو ان سے بھی جوار بھاٹا کا عمل وقوع میں آتا ہے۔ بلکہ سمندر کی لہریں اس کے زور حرکت سے میلوں اوپر کو ابھرتی ہیں۔ اور طوفان کا موجب بن جاتی ہیں۔ قرآن حکیم بھی اس بات کا ذکر کرتا ہے کہ پانی کی لہریں دیوار کے مانند کھڑی ہو جاتی ہیں۔

فاوحینا الی موسی ان اضرب بعصاك البحر

فانفلق فکان کل فرق کالطود العظیم

ترجمہ: پھر ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنی لاٹھی کو دریا پر مار۔ پھر پھٹ گیا۔ پھر ہر ٹکڑا بڑے ٹیلے کی طرح ہو گیا۔ (۲۶: ۶۳)

اس تمام داستان سرائی کا مقصد یہ بتانا ہے تاریخ کے اندر مختلف وقتوں میں جب بھی دم دار ستارے کرۂ ارض کے قریب آتے رہے ہیں تو ایسے طوفان اور آتش زدگیاں وقوع پذیر ہوتی رہی ہیں۔ پہاڑوں کے بڑے بڑے تودے (BOULDERS) اٹھا کر بہا لے گئیں۔ جو آج ہم کو ایسے مقامات پر مل رہے ہیں جہاں کی مقامی معدنیات سے نہ تو ان کی مشابہت ہے۔ اور نہ ہی دور کا تعلق۔ زیادہ دور بھی جانے کی ضرورت نہیں۔ خود ہماری اپنی ایک تحقیق جو ضلع کیمبل پور سے متعلق ہے اس کے مطابق ایسی چٹانیں اس علاقے میں جو ریگستانی ہے بکھری پڑی ہیں۔ جن پر قدیم فروشتی (KHAROSHTY) خط کی تحریر موجود ہے۔ ظاہر

ہے کہ یہ چٹانیں کہیں اوپر بہت دور سے بہہ کر آئی ہیں۔ اور لازمی بات ہے کہ کسی ایسے ہی حادثہ کا نتیجہ ہیں۔ یہ چٹانیں کہاں سے آئی ہیں اور کس وقت آتی ہیں؟ ضلع کی تاریخ میں جو دریائے سندھ میں طغیانی کا حال ملتا ہے وہ بتاتا ہے کہ سب سے بڑا طوفان گذشتہ صدی کے وسط میں آیا۔ مگر اس وقت پانی کا رخ اٹک سے آگے نوشہرہ کی طرف تھا۔ بہر حال یہ تحقیق بہت ضروری ہے۔ بہت ممکن ہے کہ کہیں دور پہاڑوں میں اصل چٹانوں کا سراغ لگایا جاسکے جس کے یہ ٹکڑے ٹوٹ کر بہہ گئے اور کیمبل پور کے گرد و نواح میں آکر ریت میں آکر جم گئے۔ ان میں سے کچھ چٹانیں دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر بھی ملتی ہیں جو اٹک کے پل کے جنوب میں ہے۔ ایک بات حتمی ہے کہ طوفان اس تحریر کے بعد آیا ہوگا اور تحریر کو بھی دو ہزار برس گزر چکے ہیں۔ اس طرح طوفان کا وقت بھی متعین کیا جاسکتا ہے اور مقام طوفان بھی۔ یہ ہمارے آج کل کے محققین کا کام ہے کہ اس تحقیق کو تکمیل تک پہنچائیں۔

دم دار ستاروں کے قرب سے کرۂ ارضی میں بھی بہت سی تبدیلیاں آجاتی ہیں۔ سب سے اہم تبدیلی یہ ہے کہ اس کی حرکت میں فرق پڑجاتا ہے۔ اور اس کے قطبین بدلنا شروع ہوجاتے ہیں۔ خصوصاً جب ٹکراؤ ہوتا ہے تو قطبین کی سمت بدل جاتی ہے۔ گویا اس کے شمال اور جنوب، مشرق اور مغرب بدلتے رہتے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ کرۂ ارضی کا جو رُخ اس وقت قطب شمالی کہلاتی ہے کسی وقت مغرب یا مشرق اور عین ممکن ہے کہ یہ قطب جنوبی بھی رہ چکا ہو۔

گویا اس کرۂ ارضی کے کئی مشرق اور کئی مغرب رہ چکے ہیں۔ یہ مطلب ہے قرآن حکیم کے یہ کہنے کا کہ اللہ تعالیٰ رب المشرقین اور رب المغربین ہے۔

یونان اور دیگر اقوام کی تاریخِ مذاہب کے اندر ہم کو جتنے دیوتا ملے ہیں وہ درحقیقت سیارگان کے متمثلہ ہیں اور جس قدر کہانیاں ان کے رومانوں (ROMANCES)

اور جنگوں کے متعلق ملتی ہیں وہ سب ان سیارگان کے غزوات یعنی تصادم ہیں۔ کیا (ZEUS) اور کیا (JUPITER) کیا اندرا، کیا متھرا اور کیا وشنو یہ سب سیارگان کے نام ہیں۔ یہ تمام دیوتا اور ان کی کہانیاں ان زمانوں کی تاریخ کی عکاسی اور ترجمانی کرتی ہیں اور ان کو ان قصص میں محفوظ رکھا گیا ہے۔

اجرام فلکی کی حرکات سے ویلن کوفسکی نے ایک اور تحقیق بھی کی ہے اور یہ فرعون موسیٰ سے متعلق ہے۔ اس کا بیان کر دینا یہاں نامناسب نہ ہوگا کیونکہ ہمارے موضوع کے مطابق ہے۔ عام طور پر ابھی تک یہی سمجھا جاتا ہے کہ فرعون موسیٰ ریمسز دوئم (RAMESES II) ہے۔ لیکن مصنف نے کہا ہے کہ یہ (THWI THOM) ثانی تھوم تھا اپنی تحقیق میں اس نے ایک لاطینی مصنف حوبلیس (HAVELIUS) کی تحقیق سے مدد لی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جس وقت بنی اسرائیل کا خروج ہوا اس وقت ایک دم دار ستارہ مصر، شام اور بابل اور ہندوستان میں نظر آیا جس نے مختلف قسم کے طوفان اور دیگر اثرات چھوڑے۔ یہ واقعہ ۱۴۹۵ قبل مسیح کا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جن چٹانوں کا ابھی اوپر ہم نے ذکر کیا ہے جو ضلع کیمبل پور میں واقع ہیں وہ بھی اسی زمانے میں ٹوٹ کر ریگستان میں بہہ گئیں۔ اب اس نظریے سے ایک اور اشتباہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ چٹانیں واقعی ۱۴۹۵ ق۔م میں ٹوٹ کر بہہ گئیں تو جو تحریر فرشتی ان پر کندہ ہے وہ بھی اسی زمانے کی ہوگی۔ یہ بات موجودہ تحقیق کے منافی ہے جو اس کا وقت مسیح سے تقریباً دو ہزار سال قبل متعین کرتی ہے۔ ہمارا ذاتی خیال ہے کہ فروشتی خط اور خط میخی میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے دونوں میں بے حد مماثلت ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ایک ایران اور بابل میں ایجاد ہوا اور دوسرا ہندوستان میں اختراع کیا گیا۔ بہرحال اس مسئلہ پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

اس قسم کے واقعات کی تفصیل ہم کو مسلمان مورخین کے ہاں بھی ملتی ہیں۔ انہوں نے

لازمی طور پر قدیم تاریخوں سے اخذ کئے ہیں۔ یقیناً ان کا علم بھی وسیع تھا۔ مسعودی نے امیہ بن ابی الصلت کے حوالے سے ان تصادموں اور طوفانوں کا ذکر کیا ہے۔ اور کچھ کچھ ذکر ان حادثات کا ہم کو ژندا وستا میں بھی ملتا ہے۔

قرآن حکیم کہیں کہیں جہاں عذاب کا ذکر کرتا ہے تو ایک خوفناک آواز زلزلے، آندھی، پتھراؤ وغیرہ کا ذکر کرتا ہے۔ مثلاً

واذا مسکم الضر فی البحر ضل من تدعون الا ایاہ فلما نجیکم الی البر اعرضتم وکان الانسان کفورًا ا فامنتم ان یخسف بکم جانب البر او یرسل علیکم حاصبًا ثم لا تجدوا لکم وکیلاً (۱۷: ۶۷)

ترجمہ: اور جب تم پر دریا میں کوئی مصیبت آتی ہے تو بھول جاتے ہو جن کو ان کے سوا پکارا کرتے تھے۔ اور پھر وہ تم کو جب خشکی کی طرف بچا لاتا ہے تو تم اس سے منہ موڑ لیتے ہو۔ اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے اور پھر کیا تم اس بات سے نڈر ہو گئے کہ وہ تمہیں خشکی کی طرف لاکر زمین میں دھنسا دے۔ یا تم پر پتھر برسائے اور آندھی بھیجدے۔ پھر تم کس کو اپنا مددگار بناؤ گے۔

یہ آیت کریمہ صریح طور پر ان ہی واقعات کی طرف اشارہ کر رہی ہے جن کی طرف ہمارے مفسرین کی نگاہیں منتقل نہیں ہوئیں۔ ۱۸۸۳ میں جب کرکاٹو (KARKATOA) کا آتش فشاں پہاڑ پھٹا تو اس کے پھٹنے کی آواز جاپان تک سنائی دی جو اس جگہ سے تین ہزار میل کے فاصلے پر تھا۔ اس طرح اس قسم کی ہولناک آوازیں زمانہ قدیم میں بھی سنائی دیتی رہیں اور خصوصاً اس وقت جب دم دار ستاروں کا قرب اس کرۂ ارضی کے ساتھ ہوتا تھا۔ یہ آوازیں کچھ تو ان اجرام کی تیزی حرکت سے پیدا ہوتی تھیں اور کچھ آتش فشانی کے باعث اور ٹکراؤ کے ساتھ کوہ طور پر بھی حضرت موسیٰ کو کچھ ایسی ہی آواز سنائی دی تھی جس سے وہ بیہوش ہو گئے تھے۔ انا ہا بکم۔ ایک گرجدار آواز تھی۔

اور اسرائیلی روایات کے اندر یہ بھی لکھا گیا ہے کہ جو موسیٰ نے سنا وہ یہ تھا۔ (I, AM, THAT، I, AM) اور بعض جگہ لکھا ہے (I, AM YAVEH) وہاں بھی جو آگ نظر آئی تھی وہ بھی اس سلسلہ کی ایک نشانی تھی۔ الفاظ تو بہر حال عربی میں تھے جو اوروں نے اپنی زبان میں منتقل کر لیئے۔!

مختلف زبانوں کے کیلنڈروں کے مقابلے سے معلوم ہوتا ہے کہ سال کے اندر دنوں کی تعداد بڑھتی رہی ہے۔ چنانچہ مصری کتبات سے اس بات کا ثبوت ملتا ہو کہ ۱۸۰۰ ق۔م میں سال کے دنوں کی تعداد ۳۶۰ سے کم تھی۔ اور اس سے پہلے سال کے دنوں کی تعداد ۱۵۰ سے بھی کم تھی۔ گویا ایک سال اوائل میں ۱۰۰ دنوں پر مشتمل ہوگا اور کیا عجب جو اس کی مقدار پچاس دنوں کے برابر ہو اس کے یہ معنی ہوئے کہ آج کے سال کے مطابق پرانے زمانے کا ایک سال سات گنا کم تھا یا آدھا تھا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر آج ایک شخص کی عمر ایک سو سال ہے تو وہ اس زمانے کے ایک ایسے شخص کی عمر کے برابر ہے جو سات سو سال زندہ رہا۔

اس سے ثابت ہوا کہ قرآن کے اندر جو مختلف عمریں بیان کی گئی ہیں مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کی وہ سب درست ہیں ان سے متعجب ہونے کی ضرورت نہیں۔

زہرہ (VENUS) العزیٰ یا وشنو

زہرہ کا ملاپ اس کرۂ ارضی سے ڈیڑھ ہزار سال قبل مسیح شروع ہوا تھا۔ اس وقت زہرہ دم دار ستارہ (COMET) تھا۔ یہ ملاپ مدت تک جاری رہا اور زہرہ نے اپنا جسم، اپنا رنگ، اپنی رفتار سب کچھ بدل ڈالی اور آہستہ آہستہ اس کی دم بھی غائب ہوگئی۔ یہ دم دار ستارہ اول اول مشرق کی طرف سے نمودار ہوا تھا اور اس کے متعلق اس زمانے کے تمام بیانات اس کے حسن و جمال اس کے رنگ و رفتار سے مرعوب نظر آتے ہیں۔ جب اس کی دم گم ہوگئی اور یہ سیارہ بن کر نمودار ہوا تو اس نے اپنا اثر اس کرۂ ارضی

پر دکھانا شروع کیا۔ اس نے موسموں نباتات اور حیوانات پر اپنا اثر ڈالا۔ ان اثرات کو دیکھ کر لوگوں نے اس کو دیوتا مانا اور اس کی پرستش کرنا شروع کر دی۔ چنانچہ یونانیوں اور مصریوں نے اس کو وینس (VENUS) کہہ کر پکارا اور عربوں کے ہاں یہ عزیٰ کہہ کر پکارا گیا۔ ہندوؤں نے اس کو وشنو مانا، وشنو دیوتا ہندو تثلیث میں ورود ہندوستان کے بعد شامل ہوا۔ اس سے پہلے ان کی تثلیث کے یہ دیوتا تھے۔ اندرا، متھرا اور ورونا، اس سے ایک بات اور بھی ثابت ہو گئی کہ ہندوستان میں ڈیڑھ ہزار برس قبل مسیح سے پہلے کا ہے۔ کیونکہ جس وقت زہرہ کا تصادم اس کرۂ ارضی سے ہوا اس وقت ہندوستان آ چکا تھا۔

یہی حال اس دنیا کے تمام سیاروں کا ہوا۔ کیا مریخ، کیا زہرہ اور کیا عطارد اور مشتری یہ سب دم دار ستارے تھے اور وقتاً فوقتاً ان کے تصادم ہوتے رہے اور ان کی دم گم ہوتی رہی۔ پھر یہ ستارے بغیر دم کے سیارے کہلانے لگے۔ زہرہ کے اس تصادم سے پہلے صرف چار سیارے دریافت ہو چکے تھے یعنی عوام کو معلوم ہو چکے تھے اور وہ دیوتا بن کر ان کی عبادت کا جزو بن چکے تھے چنانچہ زہرہ جو سب سے مشہور سیارہ ہے اس کا حال ہر ملک کے لٹریچر میں ملتا ہے اور اس کو (MORNING STAR) کہا جاتا ہے کیونکہ یہ صبح کے وقت طلوع ہوتا ہے اور اس کا منظر نہایت حسین ہوتا ہے۔ زہرہ کے اس کرۂ ارضی کے ساتھ دو تصادم ہوئے جن کا وقت مختلف ہے اور لوگوں کے عقائد میں ان دیوتاؤں کی اہمیت اور افادیت گھٹتی بڑھتی رہی کبھی وہ تین کی پرستش کرتے رہے اور کبھی وہ چار کی۔ اور کبھی پھر ایک کو رد کر دیا۔ تثلیث کے تخیل سے پہلے چار دیوتاؤں کی پرستش ہوتی رہی جن کے نام یہ ہیں۔ اندرا، ورونا، متھرا اور آشور۔ ان دیوتاؤں کی پرستش کا ہیڈ کوارٹر جو عراق میں موصل اور کرکوک کے مابین ہے اربعہ ایلو تھا۔ اس کے معنی چار دیوتا ہیں۔ اس مقام کو

آجکل اربیل کہتے ہیں۔ اور تاریخ میں یہ نام اربیلا (ARABELA) کے نام سے مشہور ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سکندر اعظم اور دارا کے درمیان جنگ ہوئی جس کو جنگ اربیلا کہا جاتا ہے۔

ہلال خصیب (FERTILE CRESCENT) میں اس وقت ان تمام دیوتاؤں کی پرستش ہوا کرتی تھی۔ پھر اس میں سے آشور کو گرا دیا گیا۔ کچھ واقعات ایسے ہو گئے تھے کہ لوگوں کو اس سے نفرت ہو گئی تھی اربعہ ایلوہین اربعہ سے مراد چار کا عدد ہے۔ اور ایلو سے مراد ایلوہا (ELOAH) یعنی اللہ ہے۔ بہر حال یہ چار سیارے جن کی پرستش ہوتی تھی یوں بیان کئے جا سکتے ہیں۔

۱۔	MERCURY	عطارد	اندرا
۲۔	MARS	مریخ	متھرا
۳۔	JUPITER	مشتری	ورونا
۴۔	SATURN	زحل	آشور

زہرہ کا ورود ان سیاروں سے بعد کا واقعہ ہے۔ جب یہ نمودار ہوا تو ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ یونانیوں اور مصریوں کے ہاں وینس (VENUS) بنکر نمودار ہوا اور ہندوں کے ہاں یہ وشنو بن گیا۔ ہمارا خیال ہے کہ وشنو ہندو تثلیث میں آریاؤں کے ہاں ورود بھارت سے پہلے داخل ہو چکا تھا۔ یہ دوسرا خیال ہے اور جو اوپر بیان کیا گیا ہے اس سے قدرے مختلف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آشور جو آریاؤں کا دیوتا تھا۔ اس کی پرستش ہلال خصیب ہی میں ختم کر دی گئی تھی۔ اور وشنو کی پرستش شروع ہو گئی تھی۔ چنانچہ وہ اپنے آخری ایام قیام میں اس کو قبول کر کے ساتھ لے آئے اور اپنی تثلیث میں شامل کر لیا۔ آشور دیوتا سے کچھ ناموزوں حرکات سرزد ہو گئی تھیں اس لئے اس کو رد کر دیا گیا تھا۔ عربوں کے ہاں اور اہل بابل میں اس سیارے کا نام

اِشتار (ISHTAR) تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو حضرت ہارون کے پاس چھوڑ کر کوہ سینا پر تشریف لے گئے تھے۔ تو سامری نے جو ایک سومیری (SUMMERIAN) تھا ایک بچھڑا بنایا۔ یہ سامری آرین تھا جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہے۔ اس نے اس بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔ یہ بچھڑا اس زہرہ سیارے کا مجسم تھا۔ چنانچہ بیلوں کے مجسمے بابل اور اشور کے پوجے جانے کا رواج یہاں ہی سے شروع ہوا تھا۔ ان کے بت اب بابل اور نینوا میں مل چکے ہیں اور دنیا کے مختلف عجائب گھروں میں محفوظ ہیں۔ اسی سیارے کے ساتھ موسموں کی تبدیلی کا اثر پہلی مرتبہ محسوس کیا گیا۔ اور ایرانیوں کے ہاں جو آریائی ہیں نوروز کے دن کو جو موسم بہار کا آغاز سمجھا جاتا ہے۔ ماہ اپریل میں مقرر کر دیا گیا۔ ان کا یہ تہوار آج تک منایا جاتا ہے۔ جب یہی آریا ہندوستان میں وارد ہوئے تو اس تہوار کو بسنت کی شکل میں منانا شروع کیا۔ ویدوں کے اندر بھی وشنوں کی شکل بیل کی سی بنائی گئی ہے۔ اس کا تخیل یوں شروع ہوا کہ اس کے دو سینگ تھے۔ اور جس طرح بیل اپنے دو سینگوں سے زمین کو کھودتے ہیں اسی طرح زہرہ سیارے نے اپنے ٹکراؤ کے ساتھ زمین کو ہلا دیا تھا۔ یہاں ہی سے ہندوؤں کے ہاں گاؤ ماتا کی پرستش شروع ہوئی۔ اور یہ تو ظاہر ہے سامری کی ہی ایجاد کردہ تھی اور اس بچھڑے کے اندر سے آواز بھی نکلتی تھی۔ یہ آواز وہ گونج تھی جو زہرہ کے قرب ارضی سے پیدا ہوئی تھی۔ یہ آغاز تھا گاؤ ماتا کی پرستش کا۔ یہی وہ اشتار (ISHTAR) یا عشتار تھا جو عربوں کے ہاں بہت سے معروف تھا۔ جو آہستہ آہستہ گائے میں تبدیل ہو گیا۔

من و سلویٰ کا واقعہ بھی انہی ایام کا ہے۔ جس کا ذکر قرآن حکیم میں بھی ملتا ہے۔ یونانیوں کے ہاں اس کو ایمبروسیہ (AMBROSIA) کہتے ہیں۔ اور ہندوؤں کے ہاں یہ امرت (AMRIT) کہلایا۔ یہ سب واقعے درست ہیں۔ اور اسی زمانے

ان کا آغاز ہوا ہے۔ کنعان کے علاقے میں اس زہرہ سیارے کو بعل (BAAL) کہا جاتا تھا۔ چنانچہ اس بعل کی پرستش عربوں کے ہاں بھی ملتی ہے۔ بعد میں اس بعل نے مذہبی عقائد کے اندر بڑی شہرت حاصل کر لی۔ چنانچہ (BAAL ZENV) اور (BAAL ZEBUB) کے نام ہم کو عرب مصنفین کے ہاں ابو الذبوب کی شکل میں نظر آتے ہیں جس نے بڑے کارنامے انجام دیئے ہیں۔ اس صدی کا ایک مشہور روسی صوفی جس کا نام گرجیف ہے اور جس کو ترکی میں جرجی زادہ کہا جاتا ہے اس نے اپنی ایک معرکۃ الآرا کتاب ALL AND EVERYTHING میں بیزل بوب (BEEZALBUB) کا کردار بیان کیا ہے۔ در اصل اس نے یہ پارٹ خود ادا کیا ہے۔ یہ کتاب بین السمواتی سفر نامہ ہے (INTER PLANETARY) یہ کردار عربی کے ایک کردار جس کا نام بو الذبوب ہے سے ماخوذ ہے۔ ذبابؑ عربی میں مکھیوں کو کہتے ہیں۔ اور مشہور یہ ہے کہ زہرہ سیارے کے تصادم کے ساتھ ایک مرتبہ مکھیاں بھی اس کرۂ ارضی پر نازل ہو گئیں۔ اسی عربی کتاب بو الذبوب کا ذکر "سُنۃ (۳) یار و لبستانی" میں ملتا ہے۔ یہ ایک فارسی کی کتاب ہے جو عبد اللہ وزیری کی ترجمہ شدہ ہے۔ اور آقائے محمد محیط طباطبائی نے اس کا مقدمہ لکھا ہے۔ یہ ۱۳۳۸ھ میں طہران سے شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب میں خیام حسن بن صباح اور نظام الملک کا ذکر ہے۔ بہر حال کہنا یہ مقصود ہے کہ گرجیف کا یہ کردار جس کا نام اس نے بیزالبوب رکھا ہے وہ اسی بعل کے لفظ سے ماخوذ ہے۔ اس سفر میں گرجیف کا پوتا اس کے ہمراہ ہے جو دنیا کے ہر مسئلہ پر سوال کرتا ہے۔ اور گرجیف جواب دیتا جاتا ہے۔ یہ ایک نہایت اعلیٰ پائے کی کتاب ہے اور جدید علوم میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔

تو یہ زہرہ سیارہ جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے بعل کے نام سے بھی یاد کیا جاتا رہا ہے اور اس کی پرستش ہوتی رہی ہے۔ اسی سیارے کے تصادم کے بعد مکھیوں کا ورود اس کرۂ ارضی پر ہوا۔ اور اسی لیے زہرہ سیارے کو ابو الذبوب یعنی مکھیوں

کا باب کہا گیا ہے۔ اس واقعہ سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ دوسرے سیاروں پر بھی زندگی موجود ہے۔ اگر مکھیاں وہاں سے آسکتی ہیں تو زندگی کسی اور شکل میں بھی موجود ہوگی۔ اس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔

سرہنری لے یارڈ (SIR HENRY LAYARD) جس نے نینوا (NINEVAH) پر کھدائی کا کام کیا ہے۔ اس نے یہاں آشور بنی پال (ASSUR BANI PAL) بادشاہ کی لائبریری کی نشاندہی کی ہے۔ جس میں خط میخی میں لکھے ہوئے کتبات ملے ہیں جن کا ترجمہ لندن میں شائع ہوگیا ہے۔ اس کا ترجمہ ایس۔ لینگڈن (S. LNAGDON) نے کیا ہے۔ اس ترجمہ کے اندر اس سیارے زہرہ کے تمام احوال اور کوائف لکھدیئے ہیں جو اس زمانے میں لوگوں کے اندر رائج تھے۔ آشور بنی پال کا لفظ بھی بعل سے نکلا ہے۔

زہرہ سیارے کے تصادم کے بعد اور بھی تصادم ہوتے رہے۔ چنانچہ ایک ٹکراؤ ۸۰۰ ق۔م کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اور یہ مستند تاریخ کا حصہ ہے اور اس کے حالات خط میخی کے کتبوں میں ملتے ہیں۔ سورج اور چاند گرہنوں کا حال بھی باقاعدہ طور پر ۷۴۷ ق۔م میں لکھا جانے لگا تھا۔ اس سے پہلے ان گرہنوں کا کوئی حال نہیں ملتا۔ عہد نامہ قدیم میں سیاروں کے حرکات کا حال بھی متعدد مقامات پر ملتا ہے۔ اور ان میں سے بعض کے نام جن کو پیغمبروں کے نام سے منسوب کیا گیا ہے لکھے ملتے ہیں بہت سے مقامات پر (COMROTION) یعنی ایک قسم کا ہیجان یعنی (HURRICANE) کا بھی ذکر ہے جس کا تعلق تصادموں کے ساتھ ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان تصادموں کی وجہ سے کرۂ ارضی کا محور اپنی جگہ سے ہٹ کر بدل گیا ہے۔

ہم نے قرآن حکیم کے علاوہ جن دو کتابوں سے مدد حاصل کی ہے ان کے نام یہ ہیں۔ یہ دونوں کتابیں ایمنوئل کوفسکی (EMANUEL VALIKOVSKY) کی

لکھی ہوئی ہیں۔ اور یہ لندن میں (VICTOR GOLLANCZ LTD) بالترتیب ۱۹۵۰ء اور ۱۹۵۲ء میں شائع کیں۔ ان کے نام یہ ہیں:

1. WORLDS IN COLLISION

2. AGES IN CHAOS

انتخاب الترغیب والترہیب جلد دوم

الامام الحافظ ذکی الدین عبد العظیم المنذری

نیک اعمال پر اجر و ثواب اور بدعملی پر زجر و عتاب کے موضوع پر متعدد کتابیں لکھی گئیں مگر حافظ منذری کی اس کتاب کو جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ اور کسی کو حاصل نہ ہوسکی اس مقبول و مستند کتاب کے اردو تراجم کی متعدد کوششیں ہوئیں مگر کوئی ترجمہ مکمل ہوکر شائع نہ ہوسکا۔

ندوۃ المصنفین نے اس کتاب کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر اس کے انتخاب و ترجمہ کا پروگرام بنایا اور اس کے لئے مولانا محمد عبد اللہ طارق صاحب دہلوی کی خدمات حاصل کیں چنانچہ اس کی پہلی جلد شائع ہوکر حسن قبول حاصل کرچکی تھی جسے ملک کے اہل علم اور ارباب بصیرت نے بہت سراہا تھا شائقین کو خوشخبری دی جاتی ہے کہ اب کتاب کی جلد دوم بھی عمدہ کتابت و طباعت اور سفید کاغذ پر چھپ کر تیار ہوگئی ہے اور تیسری جلد زیر کتابت ہے۔

جلد اول مجلد -/۱۸　بلا جلد -/۱۵　جلد دوم مجلد -/۲۰　بلا جلد -/۱۷

جنرل منیجر ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶